فارسی رباعیات کے منظوم اردو تراجم

ڈاکٹر ریاض احمد شاہد

اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

VERSIFIED URDU TRANSLATIONS
OF PERSIAN QUARTETS

Riaz Ahmad Shahid, PhD
Assistant Professor of Persian
Govt. Civil Lines College, Lahore

Abstract

The art of translation is more toilsome than creating a piece of art itself. A piece of art in prose demands a peculiar skill likewise. Rendering translation of a verse is as to undergo laborious process where the translator maintains the spirit of the original work in the translation while observing the nuances of the language in which translation is being carried out. The article focuses on verse translation of Umar Khayyam, Sheikh Abu Saeed Abu al-Khair and Sarmad Kashani's Persian Quartets into Urdu.

Keywords:

فارسی، اردو، رباعیات، تراجم، عمر خیام، شیخ ابوسعید ابوالخیر، سرمد کاشانی، ایران

فارسی رباعی خالصتاً ایران کی ایجاد ہے اور یہ صنف شاعری کے جملہ اصناف میں مشکل سمجھی جاتی ہے۔ یہ مخصوص چوبیس بحروں میں کہی جاتی ہے اور ایک سے ایک بحر مشکل ہے۔ جو شاعر شاعری کی دیگر مروجہ اصناف کے علاوہ رباعی کی صنف پر طبع آزمائی نہ کر سکے، اسے معتبر شاعر نہیں گردانا جاتا۔ اس لیے کسی بھی شاعر کی قادر الکلامی کی ضمانت رباعی گوئی ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ رباعی کے علاوہ چاہے کوئی بھی سخن ور جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کر لے، پھر بھی کامل شاعر اسی کو سمجھا جاتا ہے جس نے رباعی بھی لکھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام قدیم اساتذہ جنھوں نے اپنے دواوین مرتب کیے، ان میں دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ رباعی کو بھی ضرور شامل کیا، چاہے ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

فارسی رباعی کی تاریخ میں جو شہرت عمر خیام کے حصے میں آئی وہ کوئی دوسرا شاعر حاصل نہ کر سکا۔ عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ دنیا کی ہر بڑی زبان میں ہو چکا ہے۔ پروفیسر انور مسعود (۱۹۳۵ء) اپنی تصنیف **فارسی ادب کے چند گوشے** میں اس بات کی یوں تصدیق کرتے ہیں:

> ایرانی مصنف علی دشتی کی تحقیق کے مطابق خیام کا کلام انگریزی میں ۳۱ مرتبہ، فرانسیسی میں ۱۶ مرتبہ، جرمن میں ۱۲ دفعہ، عربی میں ۸ دفعہ، اطالوی میں ۴ مرتبہ، ترکی اور روسی میں ۲،۲ دفعہ اور ڈنمارکی، سویڈش اور ارمنی میں بھی ۲،۲ دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ خود فٹز جیرالڈ خیام کا ترجمان بن کر زندہ جاوید ہو گیا۔ اس کا ترجمہ ۱۹۲۵ تک ۱۳۹ بار شائع ہوا۔(۱)

برصغیر میں عمر خیام کو زمانہ قدیم ہی سے اہم مقام حاصل رہا ہے۔ شہنشاہ اکبر (۱۶۰۵۔ ۱۵۴۲ء) کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ حافظ کے دیوان کے حواشی پر رباعیات خیام تحریر کی جائیں۔

شاعری کا ترجمہ کرنا اور وہ بھی منظوم، پل صراط پر چلنے سے کم نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نثر کے برعکس شاعری میں زبان صرف خیالات کی ترسیل کے آلے کا کام نہیں کرتی بل کہ زبان بہ ذات خود شاعری کا حصہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ترجمے میں صرف مطلب ہی منتقل ہو سکتا ہے، خود زبان پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس لیے بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ادب کا ترجمہ کسی اور زبان میں ناممکن ہے۔ تاہم اردو مترجمین کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ اپنے تراجم میں فارسی کی لفظیات کو کسی حد تک برقرار رکھ سکتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم برصغیر کے مندرجہ ذیل شعرا کے رباعیات خیام، رباعیات ابو سعید ابوالخیر اور رباعیات سرمد شہید کے منظوم تراجم کا موازنہ پیش کریں گے :

- آغا شاعر قزلباش دہلوی
- مولانا حامد حسن قادری
- حکیم شمس الاسلام ابدالی

آغا شاعر دہلوی

آغا شاعر قزلباش ۱۸۷۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام آغا مظفر علی بیگ قزلباش تھا۔ ابتدا میں وہ نواب احمد سعید طالب دہلوی کے شاگرد تھے، پھر حیدر آباد دکن جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں داغ دہلوی (۱۹۰۵۔۱۸۳۱ء) کی شاگردی اختیار کی اور انھی سے شوخی مضمون اور روزمرہ کا بے تکلف استعمال ان کے کلام کا جزو لازم بن گیا۔ وہ ایک اچھے ڈراما نگار تھے اور ترجمہ کرنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کا منظوم ترجمہ ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے عمر خیام کی رباعیات کا بھی منظوم اردو ترجمہ کیا جو **خمکدۂ خیام** اور **رباعیات خیام** کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ان کی شعری تصانیف میں **تیر و نشتر**، **آویزۂ گوش**، **دامن مریم** اور **پرواز** کے نام شامل ہیں۔ان کا ایک نثری مجموعہ ''خمارستان'' کے نام سے بھی شامل ہوا تھا۔ان کا انتقال ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ہوا۔

آغا شاعر دہلوی نے رباعی کا رباعی میں ترجمہ کیا ہے۔یہ ایک خاصا دشوار کام تھا جو انھوں نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔اسے اندرون و بیرونِ ملک اردو اور فارسی کے علما و شعرا نے خوب سراہا ہے۔یہ دو سو رباعیات کا ترجمہ ہے جسے اپنی قابل تعریف خصوصیات کی وجہ سے بہت معیاری قرار دیا جا سکتا ہے۔اس میں آغا شاعر دہلوی نے جس فکری و فنی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ اسے رباعیاتِ خیام کا بے حد اہم ترجمہ کہا جائے۔یہ دلی کی ٹکسالی زبان میں ہے :

عمر خیام:

بکشائے درے کہ در کشایندہ توئی
بنمائے رہے کہ رہ نمایندہ توئی

من دست بہ ہیچ دستگیرے ندھم
کایشان ھمہ فانی اند و پاینده توئی(۲)

آغا شاعر دہلوی:

در کھول کوئی، کھولنے والا ہے تو
رستہ کوئی دے، جگت اجالا ہے تو
میں ہاتھ کسی ہاتھ میں کب دیتا ہوں
سب خاک، بس ایک رہنے والا ہے تو (۳)

عمر خیام:

در دیدۂ تنگِ مور نور است از تو
در پائے ضعیفِ پشہ زور است از تو
ذاتِ تو سزا ست مر خداوندی را
ہر وصف کہ ناسزا ست دور است از تو (۴)

آغا شاعر دہلوی:

چیونٹی کی ذرا سی آنکھ میں تیرا نور
مچھر کے ضعیف پاؤں میں تیرا زور
بے شک ہے خداوندی کے لایق تری ذات
جتنی کہ برائیاں ہیں سب تجھ سے دور(۵)

عمر خیام:

گر مَے نخوری طعنہ مزن مستاں را
گر دست دہد ، توبہ کنم یزداں را
تو فخر بدین کنی کہ من مَے نخورم
صد کار کنی کہ مَے غلام است آں را(٦)

آغا شاعر دہلوی:

طعنے نہ دے مستوں کو جو مےَ سے ہے حذر
ہم توبہ بھی کر لیں گے مشیت ہے اگر
ہے فخر یہی نا کہ تو مےَ خوار نہیں
سو عیب ہیں اور مےَ سے بدتر بدتر(۷)

عمر خیام:

مےَ بر کفِ من نہِ و بر آ در غلغل
با نالۂ عندلیب و صوتِ بلبل
بے نغمہ اگر روا بدے مےَ خوردن
مےَ دَر سرِ شیشہ ہا نکردی قُلقُل(۸)

آغا شاعر دہلوی:

لا جام شراب دے لبالب بالکل
کسی وقت مگر جب ہوں چہکتے بلبل
بے نغمہ اگر شراب ہوتی جائز
سنتے نہ کبھی شیشے کے منہ سے قلقل(۹)

عمر خیام:

ہر چند کہ رنگ و بوئے زیباست مرا
چوں لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا
معلوم نشد کہ در طرب خانۂ خاک
نقاشِ من از بہرِ چہ آراست مرا(۱۰)

آغا شاعر دہلوی:

قدرت نے مجھے حسن دیا تھا کیسا
رخ پھول سا ، قد سرو سے پیارا بخشا

پر یہ نہ کھلا کہ خاک کرنے کے لیے
نقاش نے پھر مجھ کو سنوارا کیوں تھا(۱۱)

اپنی ایک تصنیف میں اسرار زیدی لکھتے ہیں:

> عمر خیام کی رباعیات کا اردو میں ترجمہ معروف غزل گو سید عبدالحمید عدم نے بھی کیا تھا اور ''دو جام'' کے نام سے ان کی یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ بعض رباعیات کا ترجمہ رباعیات میں اور بعض کا قطعات میں کیا گیا تھا۔(۱۲)

فارسی رباعیات کا دوسرا منظوم ترجمہ (رباعی کا رباعی میں) مولانا حامد حسن قادری کا ہے جنھوں نے مشہور فارسی رباعی گو ابو سعید ابوالخیر کی ایک سو رباعیات کو اردو رباعی میں ڈھالا ہے۔

مولانا حامد حسن قادری (۱۸۸۷۔۱۹۶۴) کا شمار بیسویں صدی کی ممتاز علمی و ادبی شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے علمی تبحر سے نہ صرف شعبہ ادب کے تقریباً تمام اصناف کو متاثر کیا بل کہ رواں صدی میں تاریخ، فلسفہ اور تاریخ گوئی کی داستان بھی ان کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گی۔ وہ ضلع مراد آباد، بھارت کے ایک قصبہ بچھراؤں میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور شعبہ تدریس سے منسلک رہے۔ ان کی علمی و ادبی تصانیف کا دائرہ تاریخ، تنقید، تذکرے، سوانح حیات، تبصرے، انتخاب، شاعری، تاریخ گوئی، تاریخ نویسی، افسانہ، ڈراما، ترجمہ، صحافت، بچوں کا ادب، خطوط نگاری اور لسانیات وغیرہ تمام شعبوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری (۲۰۱۳۔۱۹۲۶ء) نے اپنے مضمون ''مولانا حامد حسن قادری'' میں لکھا ہے:

> مولانا حامد حسن قادری معلم و ادیب تھے، محقق و نقاد تھے، مورخ و تاریخ گو تھے اور علم عروض و بدیع کے ماہر تھے۔ عربی، فارسی، انگریزی، ہندی اور اردو ادب سب پر یکساں دست رس رکھتے تھے۔ مجھے پرچے کا نام یاد نہیں آ رہا لیکن مولانا خود کہا کرتے تھے میری اولین تحریر ۱۹۰۳ یا ۱۹۰۴ء میں پنجاب کے کسی پرچے میں شایع ہوئی تھی۔ اسی طرح کم و بیش ۶۰ سال انھوں نے اردو کی خدمت میں صرف کیے۔(۱۳)

انھوں نے رباعیات ابو سعید ابوالخیر کا ترجمہ ۱۹۲۹ء میں کیا جو قادری اکادمی، کراچی سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ابوسعید ابوالخیر:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ(۱۴)

مولانا حامد حسن قادری:

باز آ باز آ ، جو کچھ ہے باز آ
کافر ہے کہ بت پرست و ترسا باز آ
نومید نہ ہو ہماری درگاہ سے تو
سو بار بھی توڑ دی جو توبہ باز آ (۱۵)

ابوسعید ابوالخیر:

از بارِ گنہ شد تنِ مسکینم پست
یا رب چہ شود اگر مرا گیری دست
گو در عملم آنچہ ترا شاید ، نیست
اندر کرمت آنچہ مرا باید ، ہست (۱۶)

حامد حسن قادری

تیرِ ہوس و ہوا کا آماج ہوں میں
یا رب مددے کہ بینوا آج ہوں میں
مجھ میں وہ عمل نہیں جو لایق ہو ترے
تجھ میں وہ کرم ہے جس کا محتاج ہوں میں (۱۷)

فارسی کے تیسرے رباعی گو شاعر سرمد کاشانی ہیں۔ان کی علمی یادگار میں ان کی رباعیات **رباعیاتِ سرمد** کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔بہ قول ڈاکٹر شاہد مختار:

ان کے اس مختصر مجموعہ کلام کو اگرچہ غنی کشمیری اور ناصر سرہندی جیسی ادبی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اس زمانے کے دوسرے شعرا کے کلام سے زیادہ شیریں اور صحیح شاعرانہ نقطۂ نظر سے زیادہ باوقعت ہے۔(۱۸)

ایران میں حکیم عمر خیام (۱۰۴۸۔۱۱۳۱ء)اور سحابی استر آبادی اس صنف کے امام مانے گئے ہیں۔ برِ عظیم کی فارسی شاعری میں سرمد کاشانی (۱۵۹۰۔۱۶۶۱ء)اس فن میں ممتاز رہا ہے۔ حکیم شمس الاسلام ابدالی نے ان کی رباعیات کو اردو روپ دیا ہے۔

حکیم شمس الاسلام ابدالی

حکیم شمس الاسلام ابدالی ۱۹۵۱ء کو اولیا کے شہر ملتان میں پیدا ہوئے اور ۲۰۱۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا تعارف کرواتے ہوئے ڈاکٹر شاہد مختار لکھتے ہیں:

وہ ایک شاعر ہیں، ادیب ہیں، صحافی ہیں، حکیم ہیں۔ اس کے باوجود ان کی شخصیت کا احاطہ کرنا یقیناً ایک دشوار کام ہے مثلاً اگر ایک شاعر ادیب ہونے کا حوالہ دیا جائے تو ہمیں یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ وہ کس درجے کے شاعر یا ادیب ہیں۔ اس حوالے سے ان کی فکری، فطری اور طبعی اساس کیا ہے پھر ان کے فن کے تعین کا سوال پیدا ہوگا۔(۱۹)

انھوں نے ایک ہی شعری مجموعہ **عکس اور آئینے** اردو زبان میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے سرمد کاشانی کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ کیا جس کی کچھ مثالیں درجِ ذیل ہیں:

سرمد:

ای جلوہ گر نہان، عیاں شو، بہ در آ
در فکر بجبستیم ، کہ ہستی تو کجا
خواھم ، کہ در آغوش و کنارت گیرم
تا چند تو در پردہ نمایی خود را (۲۰)

حکیم شمس الاسلام:

نہاں ہو جلوہ گر مجھ پر عیاں ہو
یہی غم ہے کہ آخر تم کہاں ہو
تمنا ہے تمھیں آغوش میں لوں
حجابِ ذات میں کب سے نہاں ہو (۲۱)

سرمد:

یا رب ز کرم ببخش تقصیر مرا
مقبول بکن، نالۂ شب گیر مرا
ما پُر ز گناہ، ماجرائی ست عجیب
لطفِ تو کند چارۂ تدبیر مرا (۲۲)

حکیم شمس الاسلام:

الٰہی بخش دے تقصیر میری
تو سن لے آہ بے تاثیر میری
بھرا ہوں میں گناہوں سے، عجب ہے
تری رحمت بنی تدبیر میری (۲۳)

حکیم شمس الاسلام ابدالی کا ترجمہ بہت رواں، دل کش اور متن کے انتہائی قریب ہے۔ ترجمے کا حق بھی یہی ہوتا ہے کہ جب اسے دوسری زبان میں منتقل کیا جارہا ہو تو وہ اصل کے قریب تر ہو۔ یہی خوبی ابدالی کے ترجمے میں بھی پائی جاتی ہے۔

حکیم شمس الاسلام ابدالی نے جو **رباعیاتِ سرمد** کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے اس سے یہ بات بھی صاف ظاہر ہوتی ہے کہ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے حضرت امیر خسرو کی سو غزلیات کا بھی منظوم ترجمہ کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے لیکن **رباعیاتِ سرمد** کو نظم کرنے میں جو کمالات دکھائے ہیں وہ یقیناً حیران کن ہی نہیں بل کہ قابلِ صد ستائش ہیں۔

فارسی رباعی کے اردو رباعی میں تراجم پیش کرنے کا ہمارا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ اگرچہ اس دور میں فارسی زبان کی سخت کساد بازاری ہو رہی ہے مگر پھر بھی ابھی ''کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں'' کے مصداق یہ ماننا پڑے گا کہ فارسی زبان وادب کی صدائے بازگشت ابھی تک اس سرزمین میں ہمیں برابر اسی طرح سنائی دے رہی ہے اور بہت سے اہلِ علم و تخلیق اپنی اس تہذیبی و ثقافتی زبان کے ادبی شاہ کاروں سے دل چسپی رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) انور مسعود،فارسی ادب کے چند گوشے(اسلام آباد:عاقب پبلشرز،۱۹۹۳ء)۹۸۔

(۲) آغاشاعر دہلوی،خمکدۂ خیام،(کراچی:کتاب محل،زیب النساء سٹریٹ،۱۹۷٦ ء)۱۳۔

(۳) ایضاً،۱۳ (۴) ایضاً،۱۳

(۵) ایضاً،۱۳ (٦) ایضاً،۱٦

(۷) ایضاً،۱٦ (۸) ایضاً،۱۷

(۹) ایضاً،۱۷ (۱۰) ایضاً،۱۸

(۱۱) ایضاً،۱۸

(۱۲) اسرار زیدی، عبدالحمید عدم (شخصیت اور فن)،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ء) ۸۵،۸۴۔

(۱۳) خطوط قادری، حامد حسن قادری(فرید آرٹ پریس،۱۹۹۹ء)،۳۳۸،۳۳۹۔

(۱۴) حامد حسن مولانا،رباعیات ابو سعید ابو الخیر،(کراچی: قادری اکادمی،۱۹۹۰ء) ۱۵۔

(۱۵) ایضاً،۱۵

(۱٦) ایضاً،۱٦

(۱۷) ایضاً،۱۷

(۱۸) شاہد مختار ، تذکرۂ سرمد شہید ،(منظوم ترجمہ از حکیم شمس الاسلام ابدالی) ، (لاہور: شاہد پبلیکیشنز)،۱۱۱۔

(۱۹) ایضاً۱۱۱،۱۱۲ (۲۰) ایضاً،۱۱۴

(۲۱) ایضاً،۱۱۵ (۲۲) ایضاً،۱۱۸

(۲۳) ایضاً،۱۱۹

❖❖❖